

تفسیر ماتریدی تاویلات اہل السنہ

(۲)

محمد صغیر حسن معصومی

قولہ : ”و بالآخرۃ ہم یوقنون“، اور آخرت کا وہ یقین رکھتے ہیں -
یعنی اس پر ایمان رکھتے ہیں، کسی چیز کا یقین کرنا ہی اس کا جاننا ہے،
اور ایمان دل سے سچ سمجھنا ہے، لیکن جب کوئی شخص کسی بات کا یقین
کرتا ہے تو اس پر ایمان لاتا ہے اور اسے سچ سمجھتا ہے کیونکہ وہ اس کو ایسا ہی
جاننا ہے، یہ تصریح اس لئے ہے کہ کافروں کی ایک جماعت حشو و نشر یعنی قیامت
میں اٹھائے جانے پر یقین نہیں رکھتی تھی، کقولہ تعالیٰ : ”ان نظن الا ظنا وما
نحن بمستیقین، (الحجۃ : ۳۲) ہم تو صرف گمان اور ظن رکھتے ہیں ہم بالکل
قیامت کا یقین کرنے والے نہیں ہیں : اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ ایمان والے
درحقیقت آخرت کا یقین رکھتے ہیں گمان اور شک میں نہیں ہیں جیسا کہ
یہ کافر مبتلائے ظن ہیں -

وقولہ : ”اولئک علی ہدی من ربہم“، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف
سے ہدایت پر ہیں، کہا گیا ہے : حق اور صحیح رہنمائی پر ہیں اپنے پروردگار
کی جانب سے -

نیز یہ کہا گیا ہے : یہ لوگ اپنے پروردگار کے بیان پر ہیں - لیکن
بیان کے حقدار کافر سے زیادہ ایمان والے نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کافر کے لئے
ان ساری باتوں کو بیان کرتا ہے جن کا وہ محتاج ہے، یا عقل کے رو سے یا سمع

کی رو سے محتاج ہے، تو یہ ظاہر ہے کہ پہلا مفہوم دوسرے سے زیادہ قرین قیاس ہے۔

و قوله : ”و اولئك هم المفلحون“، اور وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔
 کہا گیا ہے کہ اس میں چند وجہیں ہیں :-

ایک قول ہے کہ ”فلاح والے ہیں“، کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں اور خیر میں بقا رکھنے والے ہیں۔

دوسرا قول ہے : اپنی حاجتوں کو پوری طرح پانے والے ہیں۔ افلاح کا
 ۳ ظ مفہوم ہے کہ اس کی حاجت برآئی۔ (ورق ۳ ظ)

تیسرا قول ہے : مفلحون ہی سعادت مند ہیں، ”افلاح“ کا مفہوم ہے سعید ہوا۔
 چوتھا قول ہے : مفلحون نجات پانے والے ہیں، کہا جاتا ہے : افلاح
 ای نجا، یعنی نجات پائی۔

ان سارے اقوال کا مرجع و مآل ایک ہی ہے کقولہ تعالیٰ : ”فمن
 زحزح عن النار و ادخل الجنة فقد فاز“ (آل عمران : ۱۸۵)، پس جو شخص دوزخ
 کی آگ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا، تو ظاہر
 ہے کہ ہر وہ شخص جو دوزخ سے دور کیا گیا وہ کامیاب ہوا، اور جو جنت میں
 داخل کیا گیا وہ ضرور کامیاب ہوا، فکذلك الاول۔

و قوله : ”ان الذين كفروا سواء عليهم ء انذرتهم ام لم تنذرهم لا
 يؤمنون“، بیشک جو لوگ اللہ کے منکر ہوئے ان کے لئے برابر ہے چاہے،
 اے رسول اللہ صلعم : آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔
 یہ آیت۔ واللہ اعلم۔ ایک خاص قوم کے بارے میں ہے، اللہ تعالیٰ کو
 علم ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس بات
 سے خبردار کر دیا، چنانچہ ویسا ہی ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کہا تھا،
 اس میں ایک پیشینگوئی ہے۔

یہ بھی احتمال ہے : کہ وہ لوگ جب تک اپنے کفر میں رہیں گے کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ کقولہ : ”والله لا يهدي القوم الظالمين، (البقرة : ۲۵۸، آل عمران : ۸۶، توبہ : ۱۹، ۱۰۹، الصلح : ۸، الجمعة : ۵) یعنی اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں بخشتا ہے، اور اللہ کو نہ ماننے والے لوگ جب تک اپنے کفر پر ہیں ظلم کرنے والے ہیں۔

وقوله : ”ختم الله على قلوبهم و على سمعهم و على ابصارهم غشاوة و لهم عذاب عظيم“۔ ترجمہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر سہر لگادی ہے اور ان کی آنکھوں پر ایک پردہ ہے، اور ان ہی کے لئے بڑا عذاب ہے۔ حسن (۱) سے روایت ہے ”کہ کافر کے لئے ایک حد ہے، جب حد تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ کو اس کا یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ایمان نہیں لائے گا، تو اس کے دل پر سہر لگادیتا ہے کہ ایمان نہ لائے۔

معتزلہ کے مذہب میں اس کا فساد دو وجہوں سے ظاہر ہے :

ایک وجہ یہ ہے کہ معتزلہ کا مذہب ہے، کہ کافر مکلف ہیں، اگرچہ کافر کے دل پر سہر لگی ہوئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل ہر اس شخص کو جانتا ہے جو اپنی آخری عمر میں ایمان لائے گا، اور ہر اس شخص کو بھی جو کبھی ایمان نہیں لائے گا، اپنے حد کو پہنچے یا نہ پہنچے۔

حضرت حسن بصری کے قول سے لازماً یہ وہم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم نہیں ہوتا جب تک کہ (کافر) اپنی حد کو نہیں پہنچتا،۔

(۱) ابو سعید حسن بن یسار بصری، مولیٰ زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ، امام بصرہ تھے، ان کی والدہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ کی مولاء تھیں، حضرت عمر کی خلافت کے آخری ایام میں پیدا ہوئے، حضرت عثمان کا خطبہ سنا، ۱۱۰ھ میں ابن سیرین سے سو دن پہلے وفات پائی۔ العبر : تہذیب التہذیب : ۱/۱۳۶، ۲/۲۶۳، مشاہیر علماء المصارع : ۶۴۲، معارف لابن قتیبہ ص ۴۴۰، اور مروج الذهب : ۲۱۳/۳۔

معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ کا قول 'ختم، اور 'طبع، کافر کے دل میں ایک علامت کی طرح یہ بتاتے ہیں کہ کفر کرنے والا ایمان نہیں لائے گا، یہ علم اسی طرح کا ہوتا ہے جسے کتابوں اور رسائل سے اخذ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ہمارے یہاں مہر لگانے کا یہ مفہوم ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے کفر کی سیاہی کافر کے دل میں پیدا کر دی۔

دوسری وجہ معتزلہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ختم اور طبع کو کافر کے دل پر پیدا کر دیا، کیونکہ جب کافر کفر کا فعل کرتا ہے تو کافر کا یہ فعل ہمارے نزدیک پیدا کردہ ہے۔ تو مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس (یعنی کفر کی) مہر کو کافر کے دل پر پیدا کر دیا۔ اس کی مثال خود اللہ تعالیٰ کا قول ہے: **و جعلنا علی قلوبہم اکنۃ (البقرۃ: ۲۵، الاسراء: ۴۶)** یعنی ہم نے ان کے دلوں پر پردے پیدا کر دیے، اور اسی طرح دوسری آیتیں ہیں۔

اصل مفہوم آیت کریمہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی۔ جب ان کافروں نے غور و خوض اور تأمل و تفکر کرنا اپنے دلوں میں چھوڑ دیا، تو تفکر واقع نہ ہوا، اسی طرح ان کے کانوں پر مہر لگادی جب انہوں نے حق اور انصاف کی بات سننا ترک کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان میں گرانی پیدا کر دی، اور آنکھوں پر پردہ پیدا کر دیا جب انہوں نے اپنے نفوس اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر نظر ڈالنا ترک کیا کہ وہ جان لیتے کہ ان ساری چیزوں کو زوال و فناء ہے اور حالات متغیر ہوتے رہتے ہیں، ان باتوں سے وہ معلوم کر لیتے کہ جو ذات ان تغیرات و حوادث کی پیدا کرنے والی ہے وہ ہمیشہ رہنے والی ہے کبھی زوال پذیر نہیں۔

و قوله: **"ومن الناس من يقول اٰمنا باللہ و بالیوم الآخر و ماہم بمؤمنین"** بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخر (قیامت کے دن) پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی خبر دیتا ہے جو اپنی زبان سے ایک بات کہتے ہیں، مگر اپنے دلوں میں اس کے خلاف عقیدہ رکھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باخبر کر دیا، کہ یہ لوگ مومن نہیں ہیں یعنی اپنے دلوں میں ایمان باللہ و بالیوم الآخر، کو سچ نہیں سمجھتے۔

دوسری آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے جیسے: 'من الذین قالوا اٰمنا بافواہم ولم تؤمن قلوبہم' (المائدہ: ۴۱)، یعنی بعض لوگ اپنی زبانوں سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے، حالانکہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں، اور "فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم" (النساء: ۶۵): نہیں، قسم ہے آپ کے پروردگار کی یہ لوگ ایمان والے نہیں جب تک آپ کو اپنے اختلافی معاملات میں فیصلہ کرنے والا (یعنی حکم) نہیں بناتے۔

یہ ساری آیتیں کرامیہ (۱) کے اعتقاد کو رد کرتی ہیں، کرامیوں کا عقیدہ ہے کہ ایمان زبان سے اقرار کرنے کو کہتے ہیں دل سے یقین کرنے کو نہیں، چنانچہ اللہ عز و جل نے سارے نفاق والوں کے متعلق خبر

(۱) یہ ایک فرقہ ہے جو ابو عبد اللہ محمد بن کرام ایک سجستانی زاہد کی طرف منسوب ہے، سجستان سے غرجستان جلاوطن کیا گیا۔ شورمین اور آفشین کے ناکارے شر پسند اس کے پیروکار بن گئے، محمد بن طاہر بن عبد اللہ بن طاہر کے زمانے میں نیشاپور آیا جہاں کچھ دیہاتی اس کی بدعتوں کے گرویدہ ہو گئے (العبر ۱/۱۰)۔

کرام کے تلفظ میں اہل علم میں اختلاف ہے، اکثروں کا پسندیدہ یہ ہے کہ یہ افظ کاف کے زیر اور رے کی تشدید کے ساتھ تلفظ کیا جائے۔ (اللباب ۳/۳۲، لسان المیزان ۳۵۳/۵)، القاموس المحیط، عقبہ میں ابن کرام کی بدعتیں نے انتہا ہیں، فقہ میں بھی ایسی نئی باتیں کہی ہیں جن کا پہلے کبھی ذکر سنتے میں نہیں آیا، جیسے مسافر کی نماز کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ رکوع، سجود، قیام، تشهد اور سلام کے بغیر صرف دو تکبیریں کافی ہیں۔ اسی طرح ان کے یہاں نجس کپڑے نجس زمین اور ظاہر بدن کی نجاست کے ساتھ نماز صحیح ہوتی ہے، طہارت صرف احداث یعنی معنوی ناپاکی سے واجب ہے ظاہری انجاس (ناپاکیوں) سے نہیں۔ (حوالے کے لئے دیکھئے: التبصیر: ۶۵، الملل والنحل ۱/۱۰۸، مقالات الاشعری ۲۵۷/۱، الفرق بین الفرق ص ۲۲۳)۔

دے دی کہ یہ ایمان والے نہیں کیونکہ دل سے تصدیق نہیں کرتے، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ایمان دل سے یقین کرنے کو کہتے ہیں۔ اور کرامیہ کا قول ہے کہ زبان سے اقرار کرنے والے سب مومن ہیں۔

و قوله: ”يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا“، یہ لوگ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لے آئے۔ کوئی شخص اللہ کو فریب دینے کا قصد نہیں کرتا، لیکن لوگ مومنین اور اللہ کے دوستوں کو فریب دینے کا قصد کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے مرتبہ کی عظمت اور اپنے نزدیک عالی مرتبت بنانے کے لئے مخادعت کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”إِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ، (محمد: ۷) (یعنی اگر اللہ کی مدد تم لوگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نصر و مدد کی حاجت نہیں رکھتا ہے۔ آیت پاک کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا۔ اسی طرح کا قول ہے: ”إِنَّ الَّذِينَ يَبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ“ (الفتح: ۱۰) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں یہ حقیقت میں اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ سے بیعت نہیں کی جاتی ہے۔ اللہ کی طرف اس کی نسبت صرف نبی کے رتبے کو اور منزلت کو بلند کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ اسی طرح منافقین کے اولیاء اللہ کو دھوکا دینے کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ ان کی قدر و منزلت اللہ کے نزدیک بہت ہے۔

مخادعت در حقیقت دو شخصوں کا فعل ہے، چونکہ یہ منافقین ایمان والوں کے آگے فریب سے کام لیتے ہیں اس لئے مفاعله کے وزن پر خداع کا استعمال ہوا، و اللہ اعلم،

وقوله: ”وَمَا يُخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ“، ترجمہ حالانکہ یہ لوگ خود اپنے کو فریب دے رہے ہیں۔

پہلا مفہوم یہ ہے کہ ان کے مکر و فریب کا وبال و خلاصہ انہیں کی طرف لوٹتا ہے۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ وہ موسنین کی موافقت کا اظہار اس لئے کرتے ہیں کہ بے خوف و خطر رہیں، مگر دنیا میں اس مکر کی وجہ سے ہمیشہ ان کو ڈر لاحق رہتا ہے۔

وقولہ : ’وما يشعرون، اور وہ لوگ احساس نہیں کرتے۔

ایک مفہوم یہ ہے کہ وہ نہیں سمجھتے کہ خداع و مکر کا حاصل آخرت میں انہی کی طرف لوٹے گا۔

دوم یہ کہ وہ نہیں سمجھتے کہ اللہ ظاہر کر دیتا ہے ان کے فریب کو اور اپنے نبی ص کو خبر دے دیتا ہے کہ انہوں نے اپنے دلوں میں کیا چھپا رکھا ہے، واللہ اعلم،

وقولہ : ”فی قلوبہم مرض“ ترجمہ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مرض شک و نفاق ہے، اللہ عز و جل نے منافقین کو بیمار کہا ہے کہ وہ دین میں پکے نہیں تھے، زبان سے موسنین کی موافقت کا اظہار کرتے تھے، اور دل میں ان کے بغض و عناد کو چھپائے ہوئے تھے، تو گویا ان کا حال اس مریض جیسا تھا جو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو، کیونکہ مریض کبھی تو موت کا یقین کر لیتا ہے اور پھر حیات کی امید کرنے لگتا ہے، تو گویا امید و بیم کے مابین مضطرب رہتا ہے۔ یہی حال ان منافقین کا ہے۔ کہ اپنے عقیدہ میں اضطراب کے شکار ہیں، اسی لئے ان کو مریض کہا گیا ہے۔

دوسرے لوگ جنہوں نے برہلا کفر کا اظہار کیا وہ دین میں اضطراب کے شکار نہیں، انہوں نے زبان سے اسی عقیدہ کا اظہار کیا جو دل میں رکھتے تھے، اس لئے ان کو ”موتی“ مردہ، کہا گیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنی دنیاوی

زندگی سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور نہ حیات ابدی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ایمان والوں کو زندہ (احیاء) کہا گیا اس لئے کہ انہوں نے اپنی زندگی سے نفع اٹھایا، اور حیات ابدی بھی حاصل کی، کیونکہ انہوں نے زبان و دل دونوں کو اللہ کے عقیدہ پر متفق کر لیا، واللہ اعلم،

وقولہ : ”فزادھم اللہ مرضاً، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے مرض میں زیادتی کردی۔

اس آیت کے مفہوم بیان کرنے میں مختلف اقوال ہیں۔

معتزلہ کا بیان ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے اختیار و پسند پر چھوڑ دیا۔

ہمارے یہاں (اہل سنت کے نزدیک) اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے افعال میں زیادتی پیدا کی اور ان کے دلوں میں نفاق کو بڑھا دیا کیونکہ ہر وقت زبان سے مومنین کی موافقت کا اظہار کرتے تھے اور دل میں ان کی دشمنی پوشیدہ رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ان کے اختیار و پسند کے مطابق ان کے اس مرض کو زیادہ کر دیا، اس کی توجیہ ’اہدنا‘ کی تفسیر میں بیان کی جا چکی ہے۔

وقولہ : ”ولہم عذاب الیم بما کانوا یکذبون“، اور ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ جھوٹ بولتے تھے، چونکہ دنیا کا عذاب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس میں الیم نہیں ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خبر دیدی کہ آخرت کا عذاب بڑا سخت عذاب ہوگا، یہ دنیا کے عذاب جیسا نہیں۔

وقولہ : ”واذا قیل لہم لا تفسدوا فی الارض“، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ، ایمان والوں کو دھوکا دیکر، زبان سے ان کی موافقت کا یقین دلا کر اور دل میں ان کی دشمنی چھپا کر۔ خلوت میں

ایمان والوں کا مذاق اڑا کر، اور ان کی شان میں ایسی باتیں کہہ کر جو ان کے لایق نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کو پوج کر، اور اس سے بڑھ کر کونسا فساد ہو سکتا ہے ؟

وقولہ : ”قالوا انما نحن مصلحون“، وہ کہتے ہیں، نہیں صرف ہم ہی صلاح و خیر چاہنے والے ہیں زبان سے موافقت کا اظہار کر کے ۔

وقولہ : ”الا انهم هم المفسدون“، ہشیار: بے شک یہی لوگ ہیں جو فساد برپا کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں کہ انہوں نے ایمان والوں کی دشمنی دل میں چھپا رکھی ہے، پھر ان کو فریب دیتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں ۔

وقولہ : ”ولكن لا يشعرون“، لیکن وہ سمجھتے نہیں ہیں ۔

اولاً، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس نفاق کا نقصان انہیں کی طرف لوٹے گا۔

ثانیاً، یہ نہیں سمجھتے کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، فساد ہے ۔

اگر یہ حقیقت ہے تو ان لوگوں کے قول کی تردید ہو جاتی ہے جو کہتے ہیں کہ حجت صرف جاننے سے لازم آتی ہے جو لوگوں کا یعنی منافقین کا قول ہے (کہ ظاہری علم یہ ہے کہ ہم مصلح ہیں جس کا وہ اظہار کرتے تھے)، مگر چونکہ ان کا ظاہر باطن سے مطابقت نہیں رکھتا اس لئے ظاہری علم سے کچھ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا، (آج جیسا کہ پاکستان کا حال ہے کہ لوگ کہتے ہیں ہمارا عقیدہ اسلام ہے مگر نہ حلال و حرام میں تمیز کرتے ہیں نہ قرآن و سنت کے اوامر و نواہی پر عمل کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود خسارے میں ہیں، اور اس بیسویں صدی میں سارے عالم اسلام کا کم و بیش یہی حال ہے ۔ اللہ رحم و کرم فرمائے، اور مسلمانوں کو عمل کی توفیق عطا کرے، آمین، مترجم) ۔

اللہ تعالیٰ نے خبردار کر دیا کہ ان کا فعل فساد ہے، اور انہیں علم و

شعور اس بات کا نہیں کہ فساد کے مرتکب ہو رہے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتا ہے: **أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ** (الحجرات: ۲)، یعنی تمہارے اعمال بیکار کردئے جاتے ہیں اور تمہیں خبر نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے اعمال کے حبط ہونے کی خبر دیدی، ان کو اس کا مطلق خیال نہیں۔

وقولہ: **”وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ“**، اور جب ان سے کہا جاتا ہے، ایمان لاؤ جیسا کہ لوگ ایمان لائے ہیں،۔ ایک احتمال یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہے۔ اگر منافقین کے بارے میں ہے تو مفہوم یہ ہے کہ اے منافق! ظاہر و باطن ہر حال میں ایمان لاؤ۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں ایمان رکھتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **”فَانْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا“** (البقرة: ۱۷۷) اگر وہ لوگ اسی طرح ایمان رکھتے ہیں جس طرح تم لوگ (اصحاب رسول) ایمان رکھتے ہو تو یہ لوگ ہدایت پر ہیں۔

اگر آیت کا تعلق اہل کتاب سے سمجھا جائے تو اس میں اس ایمان کا حکم ہے جس کا مفہوم ایمان بمعنی تصدیق ہے۔ ہمارے نزدیک ایمان دل سے سچ سمجھنے کو کہتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ سارے ارباب ادب و تاویل نے جمیع قرآن میں **”آمَنُوا“** کی تفسیر **”صدقوا“** (انہوں نے سچ سمجھا) سے کی ہے۔

وقولہ: **”قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ“** (الایۃ) **”وہ کہتے ہیں، کیا ہم ایمان لے آئیں اسی طرح جیسا کہ جاہل لوگ ایمان لائے ہیں،“** **”سفہ، حکمت و دانشمندی کی ضد کو کہتے ہیں۔ اور اس کا مفہوم نادانی کے ساتھ عمل کرنا یہ جانتے ہوئے کہ یہ عمل باطل ہے۔ اور ’جہل، ’علم، کی ضد کو کہتے ہیں، ”سفہ“ ایک گالی ہے، اصطلاح عرب میں ایک مرد دوسرے کو ”یا سفیہ،“ کہتا ہے۔**

وقولہ : ”الا انہم ہم السفہاء، ہشیار: بیشک یہی لوگ ہیں جو سفیہ (جاہل) ہیں۔

بعض متکلمین کا قول ہے، ”یہ گالی اللہ کی جانب سے مومنوں کی طرف سے ان منافقین (یا یہود و نصاری) کے لئے استعمال ہوئی ہے، اور جواب میں ایسے استعمال کو جائز سمجھتے ہیں، البتہ آغاز کلام میں اس کا استعمال جائز نہیں، اسی طرح مکر، کید، استہزاء اور ’خداع‘ جیسے الفاظ کا استعمال ابتداءً جائز نہیں مگر کسی کے جواب میں جائز ہے۔

البتہ ہمارے نزدیک گالی کا استعمال (کسی حال میں) جائز نہیں، کیونکہ جو شخص کسی کو گالی دیتا ہے وہ اس کی برائی بیان کرتا ہے اور یہ سفیہوں کا عمل ہے، پس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ بزرگ و برتر خبر دیتا ہے کہ بیشک یہی لوگ ہیں جو جہل کے موافق عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کو علم (یقین) ہے کہ جس دین کا یہ لوگ اعتقاد رکھتے ہیں باطل ہے اور بیشک وہ دین جس کا عقیدہ ایمان والے رکھتے ہیں حق، ہے۔

وقولہ : ”و لکن لا یعلمون،“ اور لیکن یہ لوگ نہیں جانتے ہیں۔

اس کا مفہوم، (۱) ایک تو یہ ہے کہ یہ لوگ نہیں جانتے کہ خود یہی لوگ سفیہ ہیں (۲)، دوسرے یہ کہ یہ لوگ اس عذاب (ورق ۴ و) کو نہیں جانتے جو ان پر ایسا کہنے کی وجہ سے لاحق ہوگا۔ واللہ اعلم۔

وقولہ : ”و اذا لقوا الذین آمنوا،“ : اور جب یہ لوگ ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے ملتے ہیں۔

وقولہ : ”قالوا آمناء،“ کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے۔

یعنی یہ لوگ مسلمانوں (اصحاب رسول اللہ) کے آگے ظاہر کرتے ہیں

کہ ظاہر میں ان کے موافق ہیں حالانکہ باطن میں مسلمانوں کی دشمنی (خلاف) کو چھپائے ہوئے ہیں۔

وقولہ: ”و اذا خلوا الى شياطينهم“، اور جب اپنے شیاطین سے خلوت میں ملتے ہیں۔

اس کے مفہوم میں کئی باتیں کہی گئی ہیں :

(۱) کہا گیا ہے کہ ’ان کے شیاطین، سے مراد کاہن (وہ لوگ جو پیشین گوئیاں بیان کرتے تھے) ہیں، ان کو شیاطین اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ لوگ حق سے دور تھے، کہا جاتا ہے ’شطن، یعنی ’بعد، (دور ہوا)۔

(۲) کہا گیا ہے کہ ہر نافرمان اور سرکش کو شیطان کہتے ہیں کہ شیطان نافرمانی اور سرکشی میں (مشہور) ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ”شیاطین الانس والجن“، (الانعام : ۱۱۲) یعنی انس و جن کے شیطان، ان کا یہ نام ان کی نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے ہے، کیونکہ ان کا قول ہے کہ شیاطین کی اصل جنوں (کے گروہ) سے ہے،

(۳) یہ بھی کہا گیا ہے کہ انہیں شیاطین کا نام اس لئے دیا گیا کہ ہر کاہن کے پاس ایک شیطان ہوا کرتا تھا جو کاہن کے حکم پر عمل کرتا تھا تو اس مناسبت سے ان کا نام شیاطین بتایا گیا۔ اور لغت میں یہ جائز ہے اور معمول، واللہ اعلم،

وقولہ: ”قالوا انا معکم“، کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں،

اس کا ایک مفہوم تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ (۱) ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی تمہارے ارادے اور مدد میں ساتھ ہیں، دوسرا (۲) مفہوم یہ ہے کہ ’بے شک ہم تمہارے ساتھ یعنی تمہارے دین پر ہیں ان لوگوں (مسلمانوں) کے دین پر نہیں ہیں، واللہ اعلم۔

قولہ: ”انما نحن مستهزون“،۔ ہم صرف (ان سے) ٹھٹھا کرنے والے ہیں۔

یعنی علاقہ ہم مسلمانوں کی موافقت کا اظہار کرتے ہیں، اور پوشیدہ ان کی دشمنی کا اظہار کرتے ہیں۔

وقولہ: ”اللہ یستہزی بہم“، اللہ بھی ان سے استہزا کرتا ہے۔

اس کے چند معنی بیان کئے گئے ہیں :

(۱) کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے استہزاء کا بدلہ دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”یخادعون اللہ و هو خادعہم“، (النساء: ۱۴۲) وہ لوگ اللہ کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ اللہ ان کو فریب میں مبتلا رکھنے والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مکر و فریب کا بدلہ دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ”و مکروا و مکر اللہ“، (ال عمران: ۵۴) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے مکر کا بدلہ دے گا۔

مکر و خداع کو جزا پر محمول کیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ ابتداءً مکر و خداع و استہزاء کی اضافت اللہ کی طرف جائز نہیں، کیونکہ ان کا استعمال مخلوق کے لئے بھی مذسوم ہے، جواباً ان کے لئے جائز سمجھا گیا ہے، تو پھر اللہ بزرگ و برتر کے شایان شان کیوں کر سمجھا جائے۔

(۲) بعض لوگوں کا قول ہے کہ استہزاء کی اضافت اللہ کی طرف جائز ہے، اگرچہ مخلوق کے لئے جائز نہیں کہ ایک دوسرے کا استہزاء کریں، جیسے تکبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے مگر مخلوق کے لئے تکبر (بڑائی چاہنا) جائز نہیں، کیونکہ مخلوق آپس میں ایک دوسرے کے مثل اور ہم شکل ہیں، اور اللہ بزرگ و برتر شکل و مثل سے مبرا ہے۔ تو اسی طرح استہزاء اللہ کے لئے جائز اور ماسوا کے لئے ناجائز ہے۔ وجہ ظاہر ہے، استہزاء استخفاف (ہلکا سمجھنا) کو کہتے ہیں، تو جو لوگ خلقت میں مماثل ہوں اور جن کے لئے حادثات و تغیرات یکساں پیدا کئے ہیں ان کا آپس میں استخفاف جائز نہیں۔ اور اللہ بزرگ و برتر ان باتوں سے پاک ہے۔ اور اول قریب تر ہے، واللہ اعلم،